مقاصد قرآن

(۳)

از جناب مولانا سید صبغۃ اللہ حسینی استاذ جامعہ دار السلام عمر آباد

دین اسلام کا تیسرا رکن "عمل صالح"

انبیاء کرام کی بعثت کے مقاصد میں سے تیسرا مقصد نیک عملی کی زندگی ہے جس کو قرآن مجید میں بار بار ذکر کیا گیا ہے، اور متعدد سورتوں میں مختلف پیرایہ بیان میں پیش کیا گیا ہے تاکہ اس سلسلہ میں ان تمام امور کی پوری اصلاح کر دی جائے جن کو افراد نوع انسانی نے بگاڑ رکھا ہے اور یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ انسان کی شخصی اور اجتماعی فلاح و بہبود کے ساتھ عمل صالح کا کس قدر گہرا تعلق ہے اگر اس چیز کی یاددہانی کے لیے تکرار و اعادہ کی ضرورت نہ ہوتی تو سورۂ عصر مختصر ہونے کے باوجود عملی اصلاح کے لیے بہت کافی تھی جیسے سورۂ اخلاص باری تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی توحید و تنزیہہ کے لیے بہت جامع ہے۔ یہ حقیقت میں قرآن عزیز کا اعجاز ہے کہ اس کے مقاصد و اغراض کبھی صرف ایک آیتہ یا چھوٹی سی سورۃ میں سمٹ جاتے ہیں اور کبھی اس قدر تفصیل و اطناب کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں کہ ایک ایک پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔

عمل صالح کی حقیقت ایمان باللہ کے لوازم میں درجہ اول پر عمل صالح ہے کیونکہ جب یہ بات دل میں اتر جائیگی کہ اللہ ہی انسان کا اصلی مالک اور حاکم ہے اور اسی کی فرماں برداری فرض عین ہے، اور اسی کی رضا پر فلاح کا اور ناراضی پر خسران کا انحصار ہے تو غیر ممکن ہے کہ کوئی شخص اس کے بتائے ہوئے نیک کاموں سے روگردانی کر جائے اور اس کے منع کیے ہوئے امور سے باز نہ آئے۔ پھر اس کے بعد خود بخود اعمال کی جزا و سزا کا اس کو خیال

پیدا ہو جائیگا اور اللہ تعالیٰ کے عقاب سے خوف اور اس کے ثواب و فضل کی امید ہونے لگے گی۔

اعمال صالحہ کے مفہوم میں نہ صرف وہ تمام عبادتیں داخل ہیں جن کے ذریعہ بارگاہ الٰہی میں تقرب حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ تمام بھلائی کے کام بھی اسی دائرے میں آجاتے ہیں جن سے انسانوں کی انفرادی و اجتماعی اصلاح ہوتی ہے اور رفاہ عام کے کام انجام پاتے ہیں مثلاً والدین کے ساتھ احسان، رشتہ داروں سے نیک سلوک اور صلہ رحمی ہمسایوں کے حقوق کا لحاظ یتیموں اور بیواؤں کی دیکھ بھال، مسکینوں کی خبرگیری وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلہ میں جو جامع وصایا قرآن عزیز نے کیے ہیں وہ توریت کے "احکام عشرہ" سے کہیں زیادہ جامع اور برتر ہیں چنانچہ سورۂ اسراء کی یہ آیات کریمہ ملاحظہ ہوں جن میں تمام باتیں یکجا بیان کردی گئی ہیں۔

اعمال صالحہ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا
إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا
أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْ
هُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا. وَاخْفِضْ
لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل
رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا
رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ
فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا وَآتِ
ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ
وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا. إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا
إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا

اور تمہارے پروردگار نے قطعی حکم دیدیا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو بلکہ ان سے ادب کے ساتھ بات کرو۔ ان کے سامنے نرمی کے ساتھ منکسرانہ انداز سے جھکے رہو اور ان کے لیے یوں دعا کرو کہ خدایا جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا پوسا ہے اسی طرح ان پر تو بھی رحمت فرما۔ تمہارا پروردگار تمہارے مافی الضمیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کردیتا ہے۔ قرابتدار اور محتاج اور مسافر کا حق ادا کرتے رہو اور مال کو بے موقع نہ اڑایا کرو کیونکہ بے موقع دولت اڑانے والے شیاطین کے بھائی ہیں اور

وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ
تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ
مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ
مَلُومًا مَحْسُورًا ۝ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ
خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ
خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ
إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا
الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا
بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا
لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ
إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ
الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ
وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا
وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ
الْمُسْتَقِيمِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ
تَأْوِيلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ
إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ

اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ اگر اپنے
پروردگار کی طرف سے رزق کے آنے کی امید پر تم کو
ان لوگوں (یعنی حق داروں) سے پہلو تہی کرنی پڑے تو ان
نرمی کے ساتھ جواب دے دو۔ تم نہ تو اپنا ہاتھ گردن
ہی سے باندھے رکھو اور نہ بالکل ہی کھول دو کہ حسرت زدہ
وملامت خوردہ بنے بیٹھے رہو۔ تمہارا پروردگار جس کو
چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا
ہے تنگی کر دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے
اور دیکھتا ہے۔ تم اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے
قتل مت کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو
بھی بےشک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔ اور
زنا کے پاس مت پھٹکو بلاشبہ وہ بےحیائی کی بات ہے
اور بہت ہی برا طریقہ ہے۔ اور جس جان کو اللہ تعالی نے
حرام فرمایا ہے اس کو قتل مت کرو الا یہ کہ حق کی خاطر
ایسا کرنا پڑے اور جو ناحق قتل کیا جائے ہم نے اس کے
وارث کو (قصاص یا معاف کرنے کا) اختیار دیا ہے
پس اس کو قتل کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرنا
چاہئے یقیناً (وہ اس کا مستحق ہے کہ قاتل سے بدلہ لینے
میں) اس کی مدد کی جائے، اور یتیم کے مال کے پاس جاؤ

كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۔ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ	مگر ایسے طریقہ سے جو تحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن
مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ	بلوغ کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کی
الْجِبَالَ طُوْلًا ۔ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ	بازپرس ہوگی۔ اور جب ناپ کر دینا ہو تو پورا پیمانہ دیا
عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۔ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰى	کرو اور صحیح ترازو سے تول کر دو۔ کیونکہ یہ اچھی بات ہے
اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ	اور اس کا انجام بھی اچھا ہے اور جس بات کی تمہیں تحقیق
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا	نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑا کر کیونکہ کان اور آنکھ اور دل
مَّدْحُوْرًا اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ	ان سب کی بازپرس ہوگی۔ اور زمین پر اتراتے ہوئے
وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۔ اِنَّكُمْ	. . . .
لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ۔ (بنی اسرائیل ۳-۴)	

نہ چلنا، تو نہ زمین کو پھاڑ سکے گا اور نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکے گا۔ ان میں سے ہر ایک کام تمہارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہے۔ یہ باتیں اس حکمت میں سے ہیں جو تیرے رب نے تیری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی ہیں۔ اور خدائے برحق کے ساتھ اور کوئی معبود نہ تجویز کر لینا ورنہ تم ا[illegible] خوردہ اور راندہ ہو کر دوزخ میں پھینک دیے جاؤ گے۔ کیا تمہارے رب نے تم کو تو بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور خود اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا ہے۔ یہ تو تم بہت ہی بڑی نازیبا بات کہتے ہو"۔

ان آیات کریمہ میں سب سے پہلے توحید فی العبادۃ کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ باری تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ تمام نیک کاموں کے لیے نقطۂ آغاز کا حکم رکھتا ہے۔ پھر اس کے بعد ماں باپ کے حقوق کا تذکرہ آتا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی شان ربوبیت کا عکس اولین والدین کی تربیت و پرورش ہے اور اس لیے بھی کہ حقوق اللہ کے بعد تمام حقوق العباد میں پہلا مرتبہ والدین کے حقوق کا ہے۔ ماں باپ کی خدمت و اطاعت یوں تو ہر وقت چاہیے لیکن بڑھاپے اور کمزوری کے زمانہ میں ان کی خدمت گذاری اور بھی زیادہ

ضروری ہے، کیونکہ اس حالت میں وہ دوسروں کی مدد کے محتاج ہوجاتے ہیں قرآن کہتا ہے کہ جس طرح ماں باپ نے بچپن کے زمانے میں تمہاری پرورش، تربیت اور تعلیم میں محنت و مشقت برداشت کی، تمہاری نگرانی میں مصیبتیں جھیلیں، تم پر اپنا مال صرف کیا اور اپنے عیش و آرام کو قربان کر دیا ٹھیک اسی طرح تمہارا بھی فرض ہے کہ آج ان کے آڑے وقت میں کام آؤ۔ ان کی خدمت کرو، ان کو آرام پہنچاؤ۔ کما ربیانی صغیرًا میں اسی حقیقت کو ایک حسین پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے۔

دنیا میں جتنے رشتے پیدا ہوتے ہیں وہ سب والدین ہی کے باعث ہوتے ہیں اس لیے حقوق والدین پر تنبیہ کرنے کے بعد ہدایت فرمائی کہ دوسرے قرابتداروں کا بھی خیال رکھنا چاہیے اور صرف رشتہ داروں تک ہی تمہاری امداد کا دائرہ محدود نہ ہو بلکہ دوسرے محتاج لوگوں کی بھی تمہیں خبر گیری کرنی لازمی ہے۔ مگر ان ہدایات کی پیروی میں کہیں ایسا نہ ہونے پائے کہ تم حدود سے تجاوز کر کے خود اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے حقوق ضائع کر دو۔ اس لیے تبذیر کی ممانعت کر دی جاتی ہے۔ مال خدا کی دی ہوئی ایک عظیم الشان نعمت ہے اس کو بے محل خرچ کرنا کسی طرح زیبا نہیں اور جو لوگ خداداد دولت کی قدر نہیں کرتے یعنی اس کو رنگ رلیوں اور عیش پرستیوں کی نذر کر دیتے ہیں وہ حقیقت میں شیطان کے بھائی ہیں۔ اس واسطے کہ حضرت حق جل مجدہ کی دی ہوئی نعمت کو جس طرح اس کے موقع پر نہ خرچ کرنا ناشکری ہے اسی طرح بے محل اڑا دینا بھی ناسپاسی ہے اور چونکہ شیطان اپنے پروردگار کا سب سے بڑا ناشکر ہے اس لیے جو کوئی ناشکر ہوا گویا اس کا شیطان سے رشتہ ہو گیا۔

مال اسلام کے نقطۂ نظر سے فی نفسہٖ اچھی چیز ہے البتہ جتنی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ سب بیجا استعمال سے ہوتی ہیں اس لیے قرآن عزیز نے اس کی اصلاح فرمائی ہے اور جتنی صورتیں مال کے بے جا استعمال کی ہو سکتی تھیں ان کی روک تھام کی ہے۔ چنانچہ ایک صورت تو اس کی یہ ہے کہ انسان مال کو نہ اپنے لیے خرچ کرے اور نہ دوسروں کے لیے بلکہ جمع کرتا رہے، اور دوسری شکل یہ ہے کہ مال کو صرف اپنی خواہشات

نفسانی، آرام و آسائش اور ضروریات پر خرچ کرے اور خوب جی کھول کر دولت اڑانے لگے مگر کسی کی ضرورت پر کچھ کام نہ آئے۔ بہرکیف ان دونوں صورتوں کو منع کر دیا گیا ہے پہلی صورت کو "اَلَّذِیۡنَ یَکۡنِزُوۡنَ الذَّھَبَ وَالۡفِضَّۃَ" میں ذکر کیا گیا ہے اور دوسری صورت کو "تبذیر" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ قرآن مجید انسان کو مالیات میں ایسی میانہ روی کی تاکید کرتا ہے جس کے سبب سے توازن نہ بگڑنے پائے کیونکہ تمام اقتصادی تباہیاں اسی سے ظہور میں آتی ہیں اور اس کا آخری نتیجہ اخلاقی تباہیوں کی شکل میں رونما ہوتا ہے اگر مالی معاملات میں افراط و تفریط دور ہو کر توازن قائم ہو جائے تو زندگی کے ہر گوشہ میں سکون و اطمینان پیدا ہو جائے۔

اسی اقتصادی سوال کے سلسلہ میں ایک بہت بڑی برائی کا ذکر کیا گیا ہے جس کو ہر زمانے کے جاہل انسانوں نے معاشی اسباب کی بنا پر اختیار کیا ہے، اور جس کا ظہور ہر جاہلیت میں کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہا ہے یہ برائی قتل اطفال ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ انسان اولاد کی پیدائش کو اپنے لیے ناقابل برداشت بار سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ بچے پیدا ہوں گے تو ان کو کھلایا کہاں سے جائیگا اور ان کی پرورش کے ذرائع کہاں سے آئیں گے۔ اسی بنیادی تخیل کے تحت جاہلیت قدیمہ کے لوگ یا تو اسقاط حمل کا ارتکاب کرتے تھے، یا بچوں کو پیدا ہونے کے بعد مار ڈالتے تھے۔ اور اسی تخیل کے تحت جاہلیت جدیدہ کے لوگ برتھ کنٹرول (منع حمل یا ضبط ولادت) کے طریقے استعمال کرتے ہیں جن کو ایشیا اور ہندوستان کے مقلدین فرنگ بھی آنکھ بند کر کے قبول کیے جا رہے ہیں حالانکہ انفرادی و اجتماعی مسائل پر اس کی جو زد پڑتی ہے وہ کسی بصیرت والے انسان پر پوشیدہ نہیں ہے، بشرطیکہ فطرت سلیمہ کی روشنی میں نظر تحقیق سے جانچ کر دیکھا جائے اور طریق نظر و فکر وہ نہ ہو جو فرنگیت مآب زندگی کے لوازم و خصائص میں سے ہے۔ قرآن مجید اس گناہ عظیم سے باز رکھنے کی تاکید کرتا ہے اور صریح الفاظ میں اُس معاشی استدلال کی تردید کرتا ہے جس کی بنا پر جہلا اپنے اس ظلم کو حق بجانب ٹھیرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو

رزق کے خزانے تو ہمارے قبضہ واختیار میں ہیں آپ اس چیز کی تم کیوں خواہ مخواہ فکر کرتے ہو۔ اس مقام پر رزق کی اضافت خاص اپنی ذات کی طرف کرکے یہ جتلا دیا کہ رزق کا مصدر اصلی ذات الٰہی ہے جس کے ادنیٰ فیضان سے بے شمار اسباب رزق ووسائل معیشت چشم زدن میں رونما ہو جا سکتے ہیں پھر اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا کہکر اس کا تمدن انسانی اور عمرانیات کے لیے مضر ہونا واضح کر دیا گیا ہے۔

معیشت کے بعد تمدن کی طرف توجہ کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں اس سب سے بڑے گناہ کی ممانعت فرمائی ہے جو تمدن کی جڑ پر حملہ کرتا ہے، یعنی زنا۔ انسان اپنی حماقت سے عورت اور مرد کے صنفی تعلق کو محض شہوت رانی اور استلذاذ کا ذریعہ سمجھتا ہے، حالانکہ فطرۃ اللہ کا مقصد اس کے ذریعہ سے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری کرنا، اور تمدن انسانی کی بنیاد رکھنا ہے۔ زنا چونکہ ان مقاصد کے حصول میں مانع ہے اور مرد وزن کے تعلق کو اس کی اصل فطری منزل مقصود سے پھیر کر دوسرے راستہ پر ڈال دیتی ہے اس لیے اس کو حرام کیا گیا۔ اسی حقیقت کی طرف اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا میں اشارہ کیا گیا ہے۔

خدائے تعالیٰ نے انسان کو مختلف قوتیں عطا فرمائی ہیں اور انہی قوائے فطریہ میں سے ایک صنفی میلان کی قوت ہے دوسری قوتوں کی طرح اس قوت کو بھی برمحل استعمال کرنے کی نہ صرف اجازت دیگئی ہے بلکہ بعض خصوصی مواقع پر نہایت لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس قوت کے استعمال سے مطلقاً روکدینا فطرۃ انسانی پر ظلم ہوتا اور ذات خداوندی ظلم سے بری ہے۔ شریعت کی زبان میں عورت کی قوت منفعلہ اور مرد کی قوۃ فاعلہ کے برمحل اجتماع کا نام "نکاح" ہے جس کو تکمیل ایمان کا ذریعہ تبلایا گیا ہے۔ اور انہی دونوں قوتوں کے بے محل صرف کرنے کا نام "سفاح" اور زنا ہے جس سے متعدد قباحتیں ظاہر ہوتی ہیں:۔

اوّل یہ کہ نسب میں خلط ملط ہو جاتا ہے حالانکہ انساب ہی کے ذریعہ شعوب وقبائل کا وجود ہوتا ہے، انہی کی وجہ سے آپس میں تعارف ہوتا ہے، اور تعارف ہی سے تعامل و تعاون ہونے لگتا ہے۔ جو تمدن کی

اصل ہے اس لیے زنا تمدن کے منافی ہے۔

دوسری یہ کہ جب ایک عورت ایک مرد کے لیے مخصوص نہ ہوگی تو اس سے طرح طرح کے فسادات پیدا ہوں گے اور انسانی تعلقات کی ہمواری و خوشگواری میں فرق آجائے گا۔ یہ کوئی مفروضہ نہیں بلکہ واقعات اس پر شاہد ہیں، چنانچہ آئے دن اخبارات میں اس قسم کی خبریں چھپتی رہتی ہیں کہ فلاں نے اس لیے خودکشی کرلی کہ اس کی محبوبہ سے کسی دوسرے شخص کے ناجائز تعلقات تھے اور فلاں عورت نے محض اس لیے جان دے دی کہ اس کے عاشق نے اس سے نظر پھیر لی ہے کسی اور سے فریفتگی ہو چکی ہے۔

تیسرے یہ کہ زنا کا مقصد صرف عیش پرستی اور شہوت رانی ہے حالانکہ زوجین کی تخلیق کا مقصد حقیقی یہ ہے کہ دونوں مل کر خانہ داری کے امور ایک دوسرے کے تعاون و تناصر سے انجام دیں، مرد باہر سے کما کر لائے اور عورت دردمندی اور کفایت شعاری سے گھر کا بندوبست کرے اور پھر دونوں کے اشتراک عمل سے اولاد کی تعلیم و تربیت ہوتی رہے۔ یہ سب باتیں اسی وقت ممکن ہوں گی جب کہ عورت کی نگاہ ایک ہی شخص پر جمی ہوئی ہو اور اس کا کسی غیر مرد سے تعلق نہ رہے۔ اسی غرض سے زنا کو حرام کیا گیا ہے۔

چوتھے یہ کہ اگر زنا کو جائز کر دیا جائے تو انسانوں اور جانوروں میں کوئی فرق نہ رہے گا اور یہ چیز شرافت انسانی کے بالکل برعکس ہوگی اس لیے نہ صرف زنا کو ممنوع قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کے اسباب و دواعی کو بھی منع کر دیا ہے۔

زنا کے بعد دوسرا گناہ جو تمدن انسانی کو سب سے بڑھ کر نقصان پہونچانے والا ہے قتل نفس ہے چنانچہ تحریم زنا کے بعد تحریم قتل کا ذکر فرمایا گیا۔ قرآن عظیم اس کو گناہ عظیم قرار دیتا ہے۔ البتہ چند مواقع مستثنیٰ ہیں (۱) ارتداد یعنی اسلامی احکام و اعمال سے اعتقادی روگردانی کرنا۔ (۲) حکومت اسلامیہ سے بغاوت کرکے امن عامہ میں خلل انداز ہونا (۳) نکاح ہو جانے کے بعد زناکاری کا ارتکاب کرنا۔

(۴) عمداً کسی کو مار ڈالنا۔ (۵) کفار کا مسلمانوں سے جنگ کرنا۔ انہی پانچ استثنائی صورتوں کی طرف "اِلَّا بِالحق" کہہ کر اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اگر یہ صورتیں نہ ہوں تو قتل حرام ہے، خصوصاً قتل عمد تو بہت ہی بڑا گناہ ہے جس کی وعید اس قدر شدید الفاظ میں وارد ہوئی ہے کہ :-

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا۔ (نساء۔ رکوع ۱۳)

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے گا تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ اس میں رہنا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہو جائے گا۔ اور اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور اس کے لیے عذاب عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

اگرچہ یہ ایک فرعی حکم ہے لیکن اس اصل الاصول پر مبنی ہے کہ ایک مومن کو دوسرے مومن کا خیرخواہ ہونا چاہیے اور شان ایمان کا حقیقی مقتضیٰ یہ ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کو ناحق نہ قتل کرے کیونکہ یہ حرکت اس کی قوت ایمانی کے بالکل منافی ہو گی۔

اس آیت کے متعلق محققین علمائے تفسیر کا خیال ہے کہ یہی وہ آخری آیت ہے جو عقاب قتل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض صحابہ کرام سے یہ بھی منقول ہے کہ اس آیت کریمہ سے چند ماہ پیشتر "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ" نازل ہو چکی تھی اس لیے آیت مغفرت آیۃ قتل کی مخصص ہے لیکن ذرا غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آیت مغفرت میں "لِمَنْ يَّشَاءُ" کی قید لگائی گئی ہے جس سے یہ جتلا دینا منظور ہے کہ ہر چیز شرک جیسے سنگین جرم کے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے کہ خود ہی کسی کو اپنی مغفرت سے نوازنا چاہے تو کوئی اس کا مزاحم نہیں ہو سکتا مگر خداوند تعالیٰ نے اس مشیت سے اس مومن کو خارج کر دیا ہے جو کسی مومن کو عمداً قتل کر دے۔ درحقیقت آیت مغفرت تو ان لوگوں کی ترغیب ایمان کے لئے نازل ہوی ہے جنہوں نے اسلام سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں پہنچائی تھیں۔ چنانچہ انہی لوگوں کے بارہ میں

"اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ مَا قَدْ سَلَفَ" بھی نازل ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس جو ترجمان القرآن اور حبرالامۃ ہیں صراحت فرماتے ہیں کہ قاتل عمد کی توبہ مقبول نہیں۔ وہی سورۂ فرقان کی آیت "اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ" تو اس میں جو توبہ مذکور ہے وہ دراصل ان گناہوں سے تعلق رکھتی ہے جو ایمان لانے سے پہلے سرزد ہوئے ہوں۔

قاتل سے خون کا بدلہ لینا مقتول کے ولی کا حق قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس سلسلہ میں جاہلیت کے دو طریقوں کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ جاہلیت کا ایک طریقہ یہ تھا کہ مقتول کے ورثا صرف قاتل ہی کے نہیں بلکہ اس کے بھائی بندوں اور اس کی اولاد تک کے دشمن ہو جاتے تھے اور ان سے بھی بدلہ لیا کرتے تھے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ بطور خود بدلہ لے لیا کرتے تھے اور کسی نظام عدل وقانون سے مدد لینے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ ان دونوں طریقوں کا نتیجہ فساد کی اشاعت تھا اور ان میں انصاف کی حد سے تجاوز بھی تھا اس لیے قرآن حکیم نے ان دونوں کی ممانعت کر دی۔ "فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ" کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کے فعل کا بدلہ اس کے کسی عزیز رشتہ دار سے لینا زیادتی ہے، اور "اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا" سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قاتل سے بھی ولی مقتول کو خود بدلہ نہ لینا چاہیئے۔ بلکہ یہ کام اسلامی حکومت کا ہے کہ وہ انتقام لینے میں اس کی مدد کرے

آگے چل کر یتیموں کے حقوق کی حفاظت پر توجہ فرمائی گئی ہے۔ یہ جو ارشاد ہوا کہ مال یتیم کے قریب بھی نہ پھٹکو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے مال کو ہاتھ ہی نہ لگایا جائے اور اس کے مال کی نگرانی بھی نہ کی جائے اور اسے یونہی چھوڑ دیا جائے بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ ایمانداری خیرخواہی اور مصلحت شناسی کے ساتھ تصرف کیا جائے یعنی اس کے مال کو تجارتی کاروبار میں لگا رکھیں جس سے مال بڑھتا رہے اور اگر یتیم کی کفالت پرداخت اور تعلیم و تربیت میں تمہارے اوقات لگ جاتے ہوں اور تمہیں ہر

کسی دوسرے کام کا موقع نہ رہتا ہو تو اپنی ضرورت کے مطابق اس کے مال میں سے لے سکتے ہو۔ نیت بخیر ہونی چاہیے۔ یتیم کا مال اس خیال سے نہ اڑا دیا جائے کہ بڑا ہو کر اپنا مال ہم سے وصول کرے گا۔ اور جو کوئی یتیم کی نگرانی کرنے والا مفلس و محتاج نہ ہو بلکہ اپنے گھر کا خوش حال اور صاحب ثروت ہو تو اس کو مال یتیم کے لینے سے بچنا چاہیے کہ یہی تقوی و پرہیزگاری ہے۔ پھر جب یتیم سن رشد کو پہنچ جائے تو سرپرست اس کو آزما کر دیکھے کہ اسمیں معاملات کی صلاحیت پیدا ہو گئی یا نہیں اگر اپنی آپ دیکھ بھال کر لینے کا سلیقہ پیدا ہو چکا ہو تو مال واپس کر دینا چاہیے چنانچہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ۔ (سورہ نساء۔ رکوع ۱)۔	تم یتیموں کو آزمالیا کرو یہاں تک کہ جب وہ (عمر) نکاح کو پہنچ جائیں اور ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالہ کر دو۔ ان کے مال کو ضرورت سے زیادہ خرچ کر کے اور یہ خیال کر کے کہ یہ بڑے ہو کر واپس لے لیں گے مت کھاؤ۔ جو شخص مالدار ہو اسے تو یتیم کا مال کھانے سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے اور جو شخص فقیر ہو وہ مناسب مقدار کھا سکتا ہے۔

مال یتیم کے متعلق ہدایات فرمانے کے بعد عہد کی پابندی کے متعلق تاکیدی حکم دیا جاتا ہے۔ عہد کی چند قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ عہد ہے جو اللہ تعالی اور اس کے بندوں کے درمیان ہو، دوسرا وہ جو بندوں کے باہم ہو، تیسرا عہد و پیمان وہ ہے جو خود انسان اپنے آپ سے کرلے۔ حکم ربانی ان تینوں کی پابندی سے متعلق ہے۔ البتہ وہ عہد و پیمان جو شریعت کے خلاف ہو وہ اس مفہوم ہی میں داخل نہیں ہے، اس لیے اس کی پابندی لازم نہیں۔

اس کے بعد معاملات میں سے ایک خاص قسم کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو سب سے زیادہ اہمیت

رکھتی ہے یعنی یہ کہ ناپ تول میں کمی نہ کرنی چاہیے بلکہ ٹھیک ٹھیک ناپنا اور تولنا چاہیے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ تم کو آخرت میں ثواب ملے گا۔ بلکہ دنیا میں بھی اس کا فائدہ اس طرح محسوس ہو گا کہ تمہاری تجارت فروغ پائے گی، دوکانداری چمک اٹھے گی، لوگ جوق در جوق گاہک بن کر کھنچے چلے آئیں گے اور تمہارا کاروبار خوب ترقی کر جائے گا۔ "ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا" سے یہ دونوں باتیں مراد ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اسلام دنیا و آخرت دونوں کی برکات سے مستفید ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔ تجارتی کاروبار میں خیانت نہ صرف ایک بدترین اخلاقی جرم ہے بلکہ خود کاروبار کے لیے بھی مہلک ہے۔ جس قوم میں یہ عیب پیدا ہو جاتا ہے اس کی ساکھ دنیا سے اٹھ جاتی ہے، اس کی تجارت ملیامیٹ ہو جاتی ہے اور اس پر معاشی تباہی مسلط ہو کر رہتی ہے۔ اسلام ان دونوں برے نتائج سے بچانا چاہتا ہے اس لیے اس نے تجارتی اخلاق کی اصلاح پر بڑا زور دیا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ ایماندار تاجر جنت میں انبیاء و صدیقین و شہداء کے ساتھ ہو گا۔ اسی تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں (Honesty) کی حیثیت محض ایک اچھی پالیسی کی نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس کو ایمان کا مترادف سمجھتے ہیں۔ ان کی زبان میں (Honesty) کے لیے ایمانداری کا لفظ مستعمل ہوتا ہے (Dishonest) کو وہ بے ایمان کہتے ہیں۔

معاملات میں تمام ترخرابیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں کہ انسان بسا اوقات ان ذرائع معلومات پر اعتماد کر لیتا ہے جو دراصل بھروسہ کے قابل نہیں ہوتے، اور ان کی بنیاد پر نہ صرف یہ کہ خود غلط رائے قائم کرتا ہے، بلکہ اس غلط رائے کا اظہار دوسروں کے سامنے بھی کر گذرتا ہے۔ اسی سے بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں، تہمتیں لگتی ہیں، غیبتوں کا سلسلہ چلتا ہے، دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں، اور خدا جانے کتنے فسادات پھیلتے ہیں۔ قرآن عظیم نے "لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" فرما کر ایک ایسا جامع کلیہ بیان کر دیا کہ اگر انسان اس کی پیروی کرے تو یہ تمام خرابیاں خود بخود دور ہو جائیں۔ "ایسی چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کی

تمہیں تحقیق نہ ہو، اور یہ سمجھ لو کہ آنکھ کان اور دل سب سے پرس ہو گی"۔ اس کے بعد تم دیکھو گے کہ بدگمانی اور بدگوئی اور بدنیتی کا بیج ہی مرجائے گا۔

پھر تکبر کی مذمت نہایت بلیغ پیرایہ میں کی جاتی ہے کہ تم زمین پر جو اترا کر چلتے ہو اس سے نہ زمین پھٹ سکتی ہے اور نہ تم پہاڑوں کی اونچائی سے بلند ہو سکتے ہو پھر کیوں نہ تواضع اور انکساری اختیار کر دیا۔

سورۂ اسراء کی ان آیات کے علاوہ جن کی ہم نے کسی قدر تشریح کر دی ہے بے شمار آیتیں ہیں جن میں اچھے اعمال اور عمدہ اخلاق وفضائل پر ابھارا گیا ہے اور ان اعمال سے باز رکھا گیا ہے جو دینی، دنیوی، جانی، اور مالی کسی حیثیت سے نقصان رساں ہیں۔ بالخصوص نفسانی خواہشات کی پیروی، شیطانی وساوس کے اتباع اور ائمۂ شر کی اطاعت سے بہت سختی کے ساتھ روکا گیا ہے کیونکہ یہی تمام قبائح کی جڑ ہے۔ انہی امور سے احتراز و اجتناب کرنے کا نام "تقوی" ہے اور یہ ایک ایسا جامع کلمہ ہے جس کے اندر ہر وہ چیز آجاتی ہے جو انسان کو گندگیوں اور آلودگیوں سے بچانے والی ہو اور دنیا و آخرت دونوں میں اس کو خسران و نامرادی سے محفوظ رکھنے والی ہو۔ اسی لیے تقوی کا ذکر کبھی تو دینی احکام کے ذیل میں آتا ہے اور کبھی ازدواجی مسائل کے سلسلہ میں، اور کسی وقت معاشرتی و سیاسی امور کے تحت، کیونکہ اوامر و نواہی کے امتثال کی جڑ یہی ہے۔

قرآن حکیم نے اعمال صالحہ کو بالاجمال اصولی طور پر بیان کیا ہے تفصیل سے کام نہیں لیا تاکہ ازمنہ وامکنہ کے لحاظ سے اس کی فرعی تعبیر درست ہو۔ انہی اعمال صالحہ کے سلسلہ میں وہ عبادتیں بھی آجاتی ہیں جن پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کیونکہ وہ ایک طرف خدا کے ساتھ بندے کا تعلق مضبوط کرتی ہیں، اور دوسری طرف انسان کے نفس کی اندرونی کثافتوں کو دور کر کے اسے عملاً صالح بنا دیتی ہیں۔

نماز: قرآن عزیز نے اعمال و عبادات میں سب سے زیادہ نماز پر زور دیا ہے اور ایمانیات کے

بعد عملی زندگی میں اسی کا درجہ سب سے مقدم ہے۔ عرب کے مشرکین میں بھی ایک مخصوص طریقۂ عبادت کا نام صلوٰۃ تھا جس کا قرآن حکیم نے ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً (سورۂ انفال۔ رکوع ۴)

بیت اللہ کے پاس ان کی نماز بجز اس کے اور کچھ نہ تھی کہ تالیاں ٹھوکتے اور سیٹیاں بجاتے تھے

لیکن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے نماز کے اس طرز کی اصلاح فرمائی اور اس کی تدریجی طور پر ایک خاص وضع وہیئت مقرر کر دی اور خصوصیت کے ساتھ اس کی پابندی پر زور دیا کیونکہ اس میں انفرادی واجتماعی اور مادی وروحانی دونوں قسم کی برکتیں رکھی گئی ہیں اور انسانی اخلاق کی بلندی و برتری کے لیے اس سے بہتر کوئی کفیل نہیں۔ چنانچہ نماز کی غرض و غایت کو خداوند قدوس نے ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ (سورۂ عنکبوت۔ رکوع ۵)

اور نماز قائم رکھو (اس لیے) نماز بے شک وشبہ بداخلاقیوں اور برائیوں سے بچاتی ہے اور اللہ کو یاد کرنا بڑی بات ہے۔

قرآن عزیز نے انسانی اخلاق کی اصلاح کے لیے نماز ہی ایک ایسی عبادت مقرر کی ہے جس کے ذریعہ تمام اخلاقی کمزوریاں زائل ہو جاتی ہیں کیونکہ تمام اخلاقی کمزوریاں فحشاء و منکر سے پیدا ہوتی ہیں اور نماز فحشاء و منکر سے بچاتی ہے۔ فحشاء تمام قبیح کاموں کو کہتے ہیں اور منکر وہ ہے جس کی اسلامی قانون میں مطلق اجازت نہ ہو۔ پس اب ہمیں اس آیۃ کریمہ پر غور کرنا چاہیے کہ نماز فحشاء و منکر سے کیونکر بچاتی ہے۔

نماز حقیقت میں تین چیزوں سے مرکب ہے۔ اخلاص، خدائے تعالیٰ کا خوف، اور قرآن پاک کی تلاوت، پہلی چیز کے ذریعہ انسان کے اندر ایک ایسی حقیقت پیدا ہو جاتی ہے جو اسلامی عبادتوں

کی روح اور اسلامی احکام کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ اسی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "احسان" سے تعبیر فرمایا ہے۔ دوسری چیز خوف خدا ہے جس کی وجہ سے انسان کی ہر ایک نقل و حرکت پر محض قانونی حد تک پابندی نہیں رہتی بلکہ اس کے ساتھ یہ صحیح خیال ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے کہ کوئی ایسا زبردست حاکم مطلق ہے جو ہماری بدعملیوں اور نافرمانیوں پر ہر وقت خبردار رہتا ہے اور ضرور وہ ہم سے ایک نہ ایک دن سخت بازپرس کرے گا۔ گویا مبدار و معاد کا صحیح تصور اللہ تعالی کی خشیت پیدا ہوتا ہے اور خشیت الٰہی نماز سے۔

تیسری چیز نماز میں تلاوت قرآن ہے جس کے ضمن میں ہر وقت خدا کے احکام اور اوامر و نواہی کان میں پڑتے رہتے ہیں۔ بظاہر یہ ناممکن ہے کہ ایک مسلمان کے کان میں خدا کی آواز بار بار پہنچتی رہے اور وہ اس پر بھی اپنی بدعنوانیوں سے باز نہ آئے یہی باعث ہے کہ بعض اہل تفسیر نے اس موقع پر کہا ہے کہ فحشا و منکر سے باز رکھنا نماز کا فعل نہیں بلکہ اس تلاوت قران کا ہے جو نماز میں کی جاتی ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ فحشا و منکر سے روکنے والی چیز نماز ہی ہے کیونکہ نماز پڑھنے والا نماز کی مشغولیت میں بہت سی برائیوں سے بچ سکتا ہے اگر وہ نماز کو نماز سمجھکر پڑھے اور اس کی جتنی ظاہری و باطنی شرطیں ہیں پورے طور پر بجالائے اور جس قدر اس کے لوازم ہیں ان کے ادا کرنے میں سرمو کوتاہی نہ کرے تو اس کی نماز اس کو فحشا و منکر سے ضرور بچائے گی اور کامیابی و کامرانی اور فوز و فلاح سے اس کو آشنا کرکے رہیگی چنانچہ باری تعالی کا ارشاد ہوتا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۔ (مومنون۔ رکوع ۱)

یقیناً وہ ایمان والے کامیاب ہو چکے جو اپنی نمازوں میں خشوع رکھنے والے ہیں۔

اس کے علاوہ انسان کی ساری کمزوریاں اور اس کی اضطراب انگیز کیفیتیں محض جزع و فزع سے پیدا ہوتی ہیں نماز سے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۙ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۔ (سورۂ معارج رکوع ۱)	بیشک انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب فارغ البالی ہو جاتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے مگر وہ نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں جو اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں اور جن کے مال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا حق ہے اور جو یوم الدین کی تصدیق کرتے ہیں ۔

نماز کے حقائق و اسرار کی مزید وضاحت منظور ہو تو ایک غائر نظر ڈالکر دیکھو کہ نماز کیا چیز ہے؟ نماز حقیقت میں انسان اور اس کے حقیقی مالک اور علی الاطلاق حاکم کے درمیان بندگی کے تعلقات استوار کرتی ہے اور اس میں وہ روحانی و اخلاقی طاقت پیدا کرتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی بہیمی قوتوں کو ملکوتی طاقتوں کے تابع کر سکتا ہے ۔ انسانی زندگی میں صحیح نظم و ضبط اور اعتدال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب کہ اس کی بہیمیت اس کی ملکیت کے تابع رہ کر کام کرے ۔ غور کرو ایک انسان دوسرے انسان کی جان و مال اور اس کی عزت پر اسی لیے تو ہاتھ ڈالتا ہے کہ اس کے سرکش نفس امارہ کی بہیمیت اس کو ایسی بری حرکتوں پر ابھارتی ہے ۔ اگر بہیمیت دب جائے اور انسانیت اس پر غالب آجائے تو وہ خود ایسی حرکتوں سے رک جائے گا بغیر اس کے کہ خارج میں کوئی طاقت اسے روکنے والی ہو ۔ اسی خداوند قدوس نے اسلامی عبادتوں میں ایسی تاثیر رکھدی ہے کہ ان کے ادا کرنے سے ملکوتی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے آیت اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ " واقعی نماز میں خدا کی نافرمانیوں سے باز رکھنے اور روکنے کی صفت ہے " ۔ اور جب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی خدمت میں ایک شخص کا حال بیان کیا گیا کہ " وہ نمازیں بہت پڑھتا رہتا ہے " تو کہنے لگے نماز اس شخص کو فائدہ پہونچاتی ہے

جو نماز کی اطاعت کرتا ہے اور نماز کی اطاعت سے مراد یہ ہے کہ نماز درست طریقہ پر اس کے حقوق ادا کر کے پڑھی جائے۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری سے پوچھا گیا کہ "قَالُوا یَا شُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ" (اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں حکم کرتی ہے) اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ تو سفیان نے صاف کہا کہ ہاں نماز حکم بھی دیتی ہے اور منع بھی کرتی ہے اور جو شخص نماز تو پڑھتا ہے مگر اس کی نماز اسکو اخلاقی برائیوں سے نہ روکتی ہو تو اس کو خدائے قدوس کی بارگاہ میں نزدیکی ہونے کے بجائے دوری و مہجوری ہونے لگتی ہے۔

اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خداوند عالم نے اسلام کو ساری دنیا کے مذاہب پر برتری عطا فرمائی ہے مگر کسی قوم کا بلند معیار پر پہنچ جانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کے اس کے افراد بلند معیار پر نہ ہوں اور کسی شخص کے لیے بلند مرتبہ پر فائز ہونا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ اس کا ذاتی کیریکٹر درست نہ ہو جائے کیونکہ کیریکٹر کی عظمت ہی اس کو ایک اعلیٰ زندگی دلا سکتی ہے اور اس گم گشتہ متاع کی تلاش نماز ہی میں ہو سکتی ہے۔

کاش اس فرنگیت مآب، زمانہ کے روشن خیال اس حقیقت کبریٰ کو سمجھ لیں تو ان میں ایک انقلاب ہو جائے اور اپنی تمام گذشتہ رفعتوں اور عظمتوں کے لوٹنے کی صحیح امید کی جا سکے مگر افسوس کہ آج کل ذہنی غلامی کا دور دورہ ہے اور بہت سے مسلمان ہیں جو اپنی روشن خیالی کے زعم باطل میں مبتلا ہیں اور اس بہترین اسلامی عبادت کو جو نہ صرف روحانی بلکہ مادی فوائد پر بھی مشتمل ہے ایک پرانی رسم اور عہد قدیم کی یادگار سمجھتے ہیں۔ اگر ان مسلمانوں میں قرآن عزیز کے پڑھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو وہ نماز کی حقیقت اور اس کے اسرار و مصالح پر مطلع ہو کر اپنی کوتاہی کی تلافی کریں گے۔

زکوٰۃ اسی طرح زکوٰۃ بھی دین اسلامی کے بنیادی اعمال میں سے ہے اور اس کا اجتماعیات سے بہت گہرا تعلق ہے۔ درحقیقت انسان کے اندر سے بخل کی صفت نکالنے والی یہی عبادت ہے کیونکہ جب تک یہ خبیث جذبہ نہ نکل جائے انسان کے اندر عمدہ اخلاق اور اچھے ملکات پیدا نہیں ہو سکتے اور یہی وہ جذبہ ہے جس کی وجہ سے انسان کے دل میں سرمایہ داری کی محبت کچھ اس قدر رچ جاتی ہے کہ وہ پھر نہ بنی نوع انسان کا خیر خواہ ہو سکتا ہے اور نہ دینی وملی مقاصد کی کچھ وقعت کرتا ہے بلکہ اپنے ہی اغراض کا بندہ بن کر ہر جائز وناجائز طریقے سے سرمایہ کی فراہمی میں لگ جاتا ہے۔ اسی لیے زکوٰۃ فرض کی گئی ہے کہ ان برائیوں سے انسان کو محفوظ ومصؤن رکھا جائے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ (سورہ توبہ رکوع ۱۳)

تم ان کے مال میں سے صدقہ مفروضہ لو جس کے ذریعہ تم ان کو پاک اور صاف کر دوگے۔

نماز اور زکوٰۃ کا قرآن عزیز اتنی مرتبہ بار بار ذکر کرتا ہے کہ ان کا استیعاب دشوار ہے۔ ان دونوں کی حقیقت اور اہمیت ذہن نشین کرانے کے لیے اس قدر مختلف اسالیب بیان اختیار کرنا ضروری تھا مگر بایں ہمہ زکوٰۃ کی تفصیل نہیں کی گئی بلکہ صرف فرضیت پر زور دے کر اس کے اسرار وحکم پر مطلع کر دیا گیا اور ان مقامات کو بیان کر دیا گیا جہاں زکوٰۃ خرچ کی جائے چنانچہ فرمایا جاتا ہے

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنَ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (سورہ توبہ رکوع ۸)

صدقات مفروضہ صرف فقیروں اور مسکینوں کا حق ہے اور جو کارکن ان صدقات (کی وصولیابی اور انتظام) پر مقرر ہیں اور وہ لوگ جن کی دلجوئی کرنا ہے اور غلاموں کو آزاد کرنے میں اور قرضداروں کے قرضہ میں اور اللہ کے راستہ میں اور مسافروں میں، یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے۔

اس کی جزئیات کی تشریح قرآن نے نہیں کی بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اس کے واسطے ایک معیار قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ فرمان خداوندی ہوتا ہے۔

لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک اچھا نمونہ ہے

بہر کیف زکوٰۃ ایک زبردست عبادت ہے جس میں بہت سی خوبیاں مضمر ہیں۔ چنانچہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ ابن جبل رضؓ کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو ان کو چند ہدایات فرمائیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب تم وہاں پہنچو تو یمن والوں کو سمجھا دو کہ خداوند تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے سرمایہ داروں سے لی جائے گی اور انہی کے غریبوں پر تقسیم کروائی جائے گی۔

درحقیقت یہی اسلام کا معتدل قانون ہے جن پر عمل کرنے سے سرمایہ دار اور مزدور کی موجودہ کش مکش ختم ہو سکتی ہے اور افراط و تفریط کے ان نظامات کا استیصال ہو سکتا ہے جو کیپٹلزم، کمیونزم اور فاشزم کی صورت میں دنیا کے امن کو دھمکیاں دے رہے ہیں۔ (باقی)

توحید و سنت کا علمبردار "الفرقان" (بریلی)

الفرقان دین الٰہی کا مبلغ ملت اسلامیہ کا بیباک محافظ۔ مذاہب باطلہ کے مقابلہ میں مسلمان کا بہترین مناظر اور جھوٹے پیروں اور جعلی مولویوں کے لیے موت کا پیغام ہے، کتاب و سنت اور اصول فطرۃ کی روشنی میں دین حق کی تائید و حمایت اور مذاہب باطلہ کی تردید و مخالفت اس کا نصب العین ہے وہ اخلاقی مسائل پر نہایت متانت اور بے نظیر سنجیدگی کے ساتھ بحث کرتا ہے الفرقان کا ادبی معیار بھی نہایت بلند ہے۔ دوسرے مذہبی صحائف میں جس کی نظیر ملنی بھی دشوار ہے اگر آپ ہندوستان میں توحید و سنت کا بقاء و تحفظ چاہتے ہیں تو آج ہی کی تاریخ سے الفرقان کے خریدار بن جائیے اور حمایت ملت و احیاء سنت کے فریضہ میں ہمارا ہاتھ بٹائیے۔ (سالانہ چندہ قسم اول ہے قسم دوم)

مینیجر الفرقان بریلی۔ یو پی